اسلامی اندلس میں کتبخانے اور شائقین کتب

احمد خان (مترجم)

[اسپین میں پچھلی صدی کے اواخر اور اس صدی کے اوائل میں اندلس کے مسلمانوں کی علمی و ادبی ثقافت کا شیدا اور اس میں تحقیق کرنے والا یک مستشرق خولیان ربیرا (*Julian Ribera y Tarrago* 1858 — 1934) ہو گزرا ہے۔ اس نے تمام عمر وہاں کے مسلمانوں کے علمی ورثے کو اجاگر کرنے کی کوشش میں بسر کی۔ اس کی اس قسم کی تحریرات سے ایک مقالے کا ترجمہ کتابوں اور ان کے شائقین کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔

دراصل ربیرا نے سرقسطہ کے طبی اور سائنسی علوم کے کالج میں *Bibliofolos y Bibliotecas en la Epana Musulmana* کے عنوان سے ایک لیکچر دیا تھا۔ جو وہیں کے مجلہ *La Derecha* میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ پھر شائقین کے مطالعے پر اسی شہر کے ایک دوسرے رسالے *Topogrefia de la Derecha* میں طبع ہوا۔ تیسری مرتبہ فنون لطیفہ اور سائنسی علوم کی سرکاری اکیڈمی کے خرچ سے عمدہ شکل میں ۱۹۲۵ء میں بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ پھر مصنف نے اسے اپنی کتاب *Desertacions y Opuscules. Madrid, 1928.* میں شامل کرلیا۔

اس مقالے کی ندرت، ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر معہد المخطوطات العربیہ (قاہرہ) کے مجلہ (مئی ۱۹۵۸ء و مئی ۱۹۵۹ء) میں اس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر جمال محمد محرز نے شائع کیا۔

پاکستان کے شائقین کتب کو اس مقالے سے استفادے کا بہت انتظار تھا۔ [illegible] اصل نسخے (جو ہسپانوی زبان میں ہے) کی تلاش میں رہا مگر

دستیاب نہیں ہوا ۔ مسلمانوں کے اس علمی ورثے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بالآخر عربی سے ہی اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ۔ ڈاکٹر موصوف نے ترجمہ کرنے وقت مصنف کے ماخذوں کی طرف رجوع نہیں کیا یعنی بعض اعلام میں کافی غلطیاں رہ گئی تھیں، جو میں نے اصل حوالوں کو پیش نظر رکھ کر درست کردی ہیں ۔ اس کے علاوہ جن معلومات کے حوالے نہیں دئے جا سکے ان کے ماخذوں کی بھی میں نے نشان دہی کردی ہے ۔ حوالہ جات کو موجودہ مطبوعہ نسخوں کے مطابق بھی کردیا ہے تاکہ قارئین کو رجوع کرنے وقت آسانی ہو ۔ اس کے مطالعے سے آپ کو یہ علم ہوگا کہ اندلسی مسلمانوں کے پاس کیسا علمی ذخیرہ تھا اور سقوط غرناطہ کے بعد سے کس طرح نذر آتش اور دریا برد کیا گیا ۔ مترجم]

فرڈی لینڈ اور ازابیلا نے جب مسلمانوں کا آخری قلعہ غرناطہ بھی فتح کرلیا تو مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس قدر عربی کتابیں ان کے پاس موجود ہیں وہ محکمہ احتساب کے سامنے پیش کریں تاکہ ان کی جانچ پڑتال کی جاسکے اور ان میں سے فلسفہ، طب اور تاریخ کی کتابیں انہیں واپس کردی جائیں اور باقی کو نذر آتش کردیا جائے ۔ انہوں نے یہ حکم یہ سمجھتے ہوئے دیا تھا کہ اس طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے میں آسانی ہوگی ۔ مگر وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حکم کے نافذ کرنے والوں نے کچھ درگزر سے کام لیا ۔ بالآخر کارڈینل خیمینس (Francisco Ximenes de Cisneros) نے خیال کیا کہ اس حکم کی پابندی ضرور ہونی چاہئے ۔ چنانچہ اس نے بہت سخت احکامات جاری کئے، جس کے نتیجہ میں ہزاروں عربی مخطوطات جمع ہوگئے جنہیں غرناطہ کے بڑے میدان میں ، جو باب الرملہ کے نزدیک تھا، سرعام جلا کر راکھ کردیا گیا

یہ واقعہ ایک علم میدان نہیں ہوا اور اسے بہت سے آدمیوں نے دیکھا۔ کئی معاصر مؤرخین نے تحریر بھی کیا۔ جو اب تک ویسے ہی بیان ہوتا آیا ہے۔ اس واقعے کے تائید کنندگان کے شعور اور تعصب دینی کے احساس نے اسے کچھ عرصہ سے معرکۃالآراء بنا دیا ہے۔ جس کی بدولت اس کا دفاع کرنے والوں کے لئے اس میں تحقیق و تدقیق بہت مشکل ہوگئی ہے۔ نتیجۃً انتہا پسند لوگوں نے اس میں اختلاف کی بنا پر اس روایت ہی میں تحریف شروع کردی۔ وہ مؤرخین جو کارڈینل خیمینیس کی اس زیادتی کا یہ خیال کرتے ہوئے دفاع کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے دین ختم کرنے کے لئے موصوف نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بہت مناسب اور کسی حد تک مفید تھا، ایسے حضرات جلائی جانے والی کتابوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تعداد کی کثرت اس واقعے کی قدر و منزلت بھی بڑھا دیگی۔ ان کے مقابلہ میں جن لوگوں نے اس سانحے کو باعث شرم خیال کیا انہوں نے مسلمانوں کے اس ادبی ذخیرہ کو، جس کا بچایا جانا ضروری تھا، حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور انہیں بھی تعداد بڑھانے میں کوئی عار نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دینی تعصب سے پیدا ہونے والے غصے اور وحشت و بربریت کے سخت مخالف تھے۔ بہت کم ایسے لوگ تھے جو اس تعصب کی نذر نہیں ہوئے۔ درحقیقت وہی لوگ اس واقعہ کا دفاع کرنے والے ہیں۔ یہ واقعہ ایک ایسا مسئلہ بن چکا ہے جس میں کثرت سے اختلاف رائے موجود ہے۔ حال ہی میں (تقریبا ۱۸۹۰ء) غرناطہ میں ایک نئی رائے نے عوام کے ذہنوں میں سخت اضطراب پیدا کردیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک آزاد رائے صحافی جو عربی سے بھی نابلد ہے، جسے اس واقعہ میں کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ بھی نہیں، وہ تعصب کے اس شنیع و قبیح فعل کی ایک مبہم سی تصویر کھینچتا ہے جس میں کارڈینل نے احساس و شعور کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے حکمت و دانش کے عظیم ذخیرے کو، جو لاکھوں کتابوں پر

مشتمل تھا، برسر عام آگ میں جھونک دیا(۱) ۔ اس کے برعکس جناب سیمولیه (Farncisco Jabia Semonia) جنھوں نے اپنی زندگی عربی علوم کے لئے وقف کر رکھی ہے اس واقعے کے دفاع میں کھڑے ہوئے ہیں ۔ دل میں یہ خیال رکھتے ہوئے کہ جو کچھ جلایا گیا ہے وہ تحقیقی نقطہ نظر سے بیکار تھا ۔ انہوں نے خیمینس کے دفاع میں روایتی انداز اختیار کیا ہے ۔ اور یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ اسلامی اسپین میں اس قدر مخطوطات کا وجود ہی نا ممکن تھا ۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''اگر مسلمانوں کے ہاں اس قدر کتابیں تھیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ علم اور ثقافت کی بدولت اس دنیا کی اقوام میں سب سے آگے تھے ۔ مگر اسپین میں ملنے والے عربی مخطوطات اس خیال کی تائید نہیں کرتے ۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس طرح تمدنی میدان میں آجکل کے عرب ممالک پیچھے ہیں اسی طرح اسلامی اندلس بھی پیچھے رہا ہوگا ۔ یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ اسپینی مسلمان ابھی غیر متمدن دور سے آگے نہیں بڑھے تھے''(۲) ۔

اس غلو اور زیادتی نے میرے ضمیر کو جھنجوڑا اور اس امر پر مجبور کیا کہ تحقیق کے ذریعے معلوم کیا جائے کہ اسپینی مسلمانوں کے پاس کس قدر کتابیں تھیں اور وہ کہاں تک کتابوں سے دلچسپی رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ میرے خیال میں یہ مسئلہ مسلمانوں کی ادبی تاریخ کا ایک اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے ۔

میں نے اس ضمن میں جو تحقیق کی ہے اس کے نتیجہ کے طور پر میں

---

(۱) مسلمانوں سے محبت اور اس نہمتی ذخیرے کے نقصان سے پیدا شدہ احساس کے تحت اس صحافی نے کتابوں کی تعداد مبالغہ کی حد تک بڑھادی ہے ۔

(۲) سیمولیہ نے خیمینس کے دفاع میں لکھتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ اندلسی مسلمانوں کی ثقافت کے جلنے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس میں زیادہ تر خرافات اور اوہام کا دخل ہے اور تمدنی ترقی تو تمام تر مفروضات پر مبنی ہے ۔

ببانگ دھل اعلان کرتا ہوں کہ اسپینی مسلمانوں کے پاس لاکھوں کتابوں کا نہ صرف وجود ممکن ہے بلکہ حقیقت میں یہ ایک امر واقعہ بھی ہے - اس سے یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ وہ باقی اقوام عالم سے تمدن و ثقافت میں آگے تھے - کیونکہ کافی تعداد میں کتابوں کا جمع کرلینا اور بہت سے علماء کا پیدا ہوجانا کسی قوم کی علمی ترقی کی نشانی نہیں ہوسکتی - لیکن لاکھوں کتابوں کا جمع ہونا بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ اندلس غیر تمدنی دور سے بہت آگے نکل چکا تھا -

وہ اقوال جو مؤرخین نے اس ضمن میں بیان کئے ہیں ان کی صحت کے بارے میں میں اپنی تحقیق کے ابتدائی مراحل میں تردد کا شکار ہوگیا تھا - کیونکہ وہ میرے لئے نئے اور بالکل غیر متوقع تھے - چنانچہ ان کی کثرت ورود نے اس مرحلہ پر ان میں مبالغہ کے رجحان کو بہت تقویت پہنچائی - ایسے اقوال مختلف النوع گروہوں کی طرف منسوب ہیں - ایسے عقائد کے لوگوں سے بھی منسوب ہیں جن کا ہمارے موضوع بحث سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے - بجز اس کے کہ ان مختلف گروہوں میں ایک قدر مشترک تھی - اسی اتفاق (قدر مشترک) نے میرے شکوک و شبہات کو یک قلم ختم کردیا تھا - مگر میں اس کے باوجود اتنے پر قانع نہ رہ سکا یہاں تک اپنی تحقیق کی بدولت تمام باتوں کی کنہہ تک پہنچ گیا -

ان تاریخی حوادث میں سے جن کی توجیہ مشکل ہے ایک عجیب و غریب حادثہ اس قوم (عربوں) کا خط بھی ہے - جس میں حروف کے مقطوع حصوں سے الفاظ بنائے جاتے ہیں کیونکہ جن لوگوں نے اسے ایجاد کیا ہے وہ بھیڑ بکریاں چرانے والے غریب لوگ تھے - وہ خانہ بدوش تھے - ایک وسیع اور بارش سے نابلد وادی غیرذی زرع میں پانی کی تلاش میں سرگرداں رہتے - انہوں نے کبھی کوئی چھوٹی سی نہر بھی نہیں دیکھی تھی - یہ سب انداز انسان

کے ابتدائی دور کے اطوار تھے ۔ بہت عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ قرب و جوار کی متمدن اقوام سے بھی مستفید نہ ہوسکے ۔ اس کے باوجود اس قوم کے پاس حروف تہجی کا ایک عمدہ سیٹ اور مدون خط تھا جو صرف قدیم متمدن اقوام میں دیکھا جاسکتا ہے، جنہیں تجارتی ضرورت اور آپس کا میل جول ایسے خط کی ایجاد و اخذ پر مجبور کرتا ہے ۔ ہمیں یہاں ایک عجیب و غریب حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ کہ عربی خط ایسے تسلسل کا حامل ہے جس میں کسی مقام پر بھی کوئی خلل نہیں ہے، جس کی بدولت اس کا مقابلہ نہ رومی خط کرسکتا ہے نہ یونانی اور نہ عبرانی ۔ اور وہ ایسا ہے کہ اسے آجکل ٹائپ رائٹر سے بآسانی لکھا جاسکتا ہے ۔ اس کے باوجود کہ اس خط میں الفاظ مختلف حروف کے ملنے سے بنتے ہیں جو کبھی سالم اور کبھی مقطوع شکل میں ہوتے ہیں ، یہ پڑھنے والے کی ذہانت اور خط کی عمدگی کی دلیل ہے کہ وہ انہیں آپس میں نہ صرف جوڑ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات ناقص حروف کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے ۔ وہ لفظ جو چار یا پانچ مقطوع حروف سے مل کر بنتا ہے وہ ساکن حروف والی اسپینی زبان کی نسبت زیادہ سرعت کے ساتھ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لفظ '' محمد ،، عربی خط میں تحریر کرنے میں اس قدر دقت نہیں ہوتی جس قدر کہ Muhammad کے پہلے حرف یعنی M کو اسپینی زبان میں لکھتے ہوئے ہوتی ہے ۔ وہ ٹیڑھا پن جو لاطینی حروف میں ہے اسے اگر سیدھا کرکے دیکھا جائے تو ہم پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اسپینی میں ایک لفظ Muhammad لکھنے میں جو ٹیڑھا پن ہے وہ عربی کے لفظ محمد سے کئی گنا زیادہ ہے ۔

بدیں وجہ ہمیں اس امر پر حیران نہیں ہونا چاہئے کہ عربی میں لکھنے والوں نے لاطینی زبانوں کی نسبت زیادہ کیسے لکھ لیا ہوگا ۔ اسی طرح اگر ہم یہ دیکھیں کہ ایک جیسی ہی کوشش اور وقت میں عربی لکھنے والا لاطینی لکھنے والے کی نسبت چار گنا زیادہ تحریر کر سکتا ہے تو تعجب نہ کرنا چاہئے

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ یعنی مسلمان اس میدان میں ہم سے چار گنا آگے ہیں ۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ اہل یورپ اور دیگر قدیم اقوام ازمنہ وسطی میں تحریر کے لئے پاپیرس (بردی) اور جھلی استعمال کرتے تھے، جو قلت یا حصول میں دقت کی بنا پر بہت مہنگے ہوتے تھے ۔ ان کے برعکس مسلمانوں نے تو ابتدائی ادوار ہی سے کاغذ کا استعمال شروع کردیا تھا ۔ اور ان کی اس صنعت نے پاپیرس کو از کار رفتہ بنا دیا تھا ۔ اسی طرح جھلی بھی بہت کم استعمال ہونے لگی ۔ لہذا اس دوسری بات کی بدولت کہ وہ ابتدا ہی سے کاغذ کا استعمال کررہے تھے، کتابوں پر کئے جانے والے اخراجات تو اور بھی کم ہوگئے تھے ۔ مسلمانوں کی سرعت کتابت اور کاغذ کے استعمال کے نتیجے میں جو اثر اس وقت مترتب ہوا تھا اسے موجودہ عہد کے مطبع، کتابوں کے پھیلاؤ اور کتب خانوں سے مقابلہ کرکے بآسانی دیکھا جاسکتا ہے ۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کے مخصوص نظام حیات نے کتاب کو تعلیم کا واحد ذریعہ بنا دیا تھا (۳) ۔ اگرچہ دوسرے امور کی طرح یہ ایک بنیادی بات نہیں ہے تاہم دوسرے وسائل کی عدم موجودگی میں یہ دکھانے کے لئے کافی اہمیت کی حامل ہے کہ مسلمانوں میں کتابیں کس طرح پھیلیں ۔ یونانیوں کے ہاں سیاسی مجالس قائم ہوتی تھیں جہاں وہ ایسے مسائل میں مہارت حاصل کرتے تھے ۔ ان کے پاس تھیٹر وغیرہ بھی تھے جن میں انسانی زندگی کے مختلف گوشے دیکھائے جاتے ۔ عملی جامعات تھیں جن میں علوم پڑھائے جاتے اور ان میں عام بحث و تمحیص ہوتی رہتی ۔ اس طرح ہر شخص جو چاہتا سیکھ لیا

---

(۳) ابن خلدون اپنی کتاب (مقدمہ، تحقیق دی سلان، ص ۳۰۲) میں بیان کرتا ہے کہ ابتدائی ادوار میں مسلمان جھلی استعمال کرتے تھے کیونکہ وافر مقدار میں میسر آجاتی اور پھر لکھائی بھی کم تھی ۔ مگر جونہی اس کا استعمال کتابوں اور سرکاری وثائق کے لئے ہونے لگا تو کم پڑگئی ۔ چنانچہ ہارون رشید کے برمکی وزیر نے کاغذ کے کارخانوں کی طرف توجہ کی اس وقت سے حکومت کے دفاتر میں کاغذ استعمال ہونے لگا ۔ اس سے کتابیں بھی بہت بننے لگیں اور کاغذ کی صنعت میں نفاست بھی پیدا ہونے لگی ۔

کرتا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کے پاس موجود نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سیاسی خطابت کو پھولنے پھلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان کا ماحول ایسی خطابت کا مقتضی نہ تھا۔ یہی حال عدالتی خطابت کا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہاں ایسے محکمے نہ تھے جن میں وکیلانہ خطابت و استدلال کی ضرورت پڑتی۔ اسی طرح خطابت علمی بھی ترقی نہ کرسکی اس لئے کہ اس کے مواقع کم تھے۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ایسے مناقشات جن میں دلائل و حجج سے کام لیا جاتا، انہیں بنظر استحسان نہیں دیکھا جاتا تھا۔ البتہ دینی مناظروں اور مباحثوں میں کافی ترقی ہوئی۔ مگر وہ انفرادی اور شخصی خواہشات کے تابع ہوگئے۔ عوام کی ادبی زندگی کسی حد تک بازاروں میں خرافاتی قصے سننے اور مساجد میں کتابیں پڑھنے تک محدود رہی۔ چنانچہ یہ لوگ عموما الف لیلہ کے قصوں میں کھوئے رہتے تھے۔ اس طرح قدیم زمانے ھی سے عرب لوگ دوسری اقوام کی نسبت کتابوں میں زیادہ مستغرق رہنے لگے تھے۔ علاوہ ازیں کتابیں سستی ہونے کے ساتھ تعلیم میں بہت استعمال کی جاتی تھیں۔ مختلف اسلامی ممالک میں کتابوں کی جانب ایک جیسی توجہ تھی اور نہ زور۔ یہ امر ان ممالک میں زیادہ واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے جہاں پر قدیم تمدن نے ترقی کی تھی۔ اسی وجہ سے فارس، مصر اور اسپین کے مسلمان تمدن و کلچر میں دوسروں کی نسبت آگے تھے۔ چنانچہ ان کے درمیان شائقین کتب بھی زیادہ تھے۔ مگر یہاں یہ بتانا مشکل ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا خطہ دوسروں کی نسبت آگے تھا۔ کم از کم ہمارے (اسپینی لوگوں کے) پاس ایسی وجوہ ھیں جن کی بنا پر، اس معاملے کی بحث و تمحیص کے موقعہ پر، ہم اپنے موقف سے پیچھے نہیں ھٹیں گے۔ *کیونکہ اسپین میں کتابوں سے دلچسپی اس قدر بڑھی کہ واقعی حیرت کی حد تک پہنچ گئی۔*

ابتدائی ایام میں جب مسلمانوں نے اندلس میں ان فوجی چھاؤنیوں کو فتح کیا، جو شہروں اور قلعوں میں قائم تھیں تاکہ ماتحت علاقوں کو پوری طرح زیر رکھ سکیں، کہا جاتا ہے ان ایام میں کتابوں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ لاطینی مستعرب مسیحوں نے اپنی ثقافت کے علاوہ دوسروں کے رسم و رواج کو بھی محفوظ کیا ہے۔ اور اس زبان میں کیا ہے جو اصلی اور قدیم تھی، وہی زبان جو ان کے آباؤ اجداد قدیم سے بولتے آرہے تھے۔ لیکن جب یہ لوگ کثرت سے حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور حکومت کو بھی علماء کی احتیاج محسوس ہوئی تو یہی لوگ کتابیں جمع کرنے اور مشرقی ممالک سے علوم کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔ یہ علمی تحریک اندلس میں شرعی علوم کی قلت اور ناپختگی کے باوجود چل رہی تھی۔ چنانچہ علماء مشرقی ممالک سے جو کتابیں اندلس میں لے گئے ان کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی ذکر ملتا ہے جنہوں نے مشرقی ادب کی مشہور و معروف کتابیں اندلس میں متعارف کرائیں۔

معروف نحوی و قاری الکسائی کی کتاب (غالبا وہ "فیما یلحن فیہ العامۃ" تھی) اندلسی خلفاء کی اولاد کا اتالیق جودی بن عثمان نحوی (متوفی ١٩٨ھ) اندلس لے گیا(٤)۔ مدینہ منورہ میں متداول بہت سی کتابوں کو اندلس میں متعارف کرانے کا سہرا عبدالرحمن بن دینار بن واقد الغافقی (١٦٠ھ-٢٠١ھ) کے سر ہے(٥)۔ جاہلی شعراء کے کچھ دواوین اور لغت کی کچھ کتابیں، اصمعی کی روایت کے مطابق، محمد بن عبدالسلام بن ثعلبہ بن زید بن الحسن بن کلب بن ثعلبہ الخشنی اندلس لے گیا (٦)۔ یہ بات عام مشہور ہے کہ خلیل بن احمد

---

(٤) ابن الأبار : التکملۃ لکتاب الصلۃ۔ط مطبعۃ السعادۃ بمصر، ١٩٥٥ء۔ ج ١ ص ٢٤٩، ترجمہ نمبر ٦٥٩۔

(٥) ابن الفرضی : تاریخ العلماء و الرواۃ للعلم بالأندلس. تحقیق عزت العطار الحسینی، ١٩٥٤ء۔ ج ١ ص ٢٩٩، ت ٧٧٦۔

(٦) ایضاً : ج ٢، ص ١٦، ت ١١٢٤۔

فراھیدی کی کتاب العین، قاسم بن ثابت السرقسطی مشرق سے لے گئے تھے(۷)۔ ابو عبدالملک عثمان بن المثنی (متوفی ۲۷۳ھ) نے عرب کے مشہور شاعر حبیب بن اوس طائی کا دیوان انہی سے پڑھا اور اس کی ایک نقل اندلس بھی لیتے گئے۔ یہ ابو عبدالملک ان لوگوں میں سے ھیں جنہوں نے عبدالرحمن بن الحکم یعنی عبدالرحمن ثانی کے بیٹوں محمد اور عمر کو پڑھایا ہے(۸)۔ أبو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن الغازی بن قیس نے، جو قرطبہ کے رہنے والے تھے، عربوں کی تاریخ شاذ لغت اور شعری ادب کا بہت سا حصہ اندلس منتقل کیا(۹)۔ ابو جعفر احمد بن محمد بن ھارون بغدادی نے ابن قتیبہ اور عمرو بن بحر الجاحظ کی کچھ کتابیں اندلس میں متعارف کرائیں۔ ان میں ابن قتیبہ کی کتابوں کی روایت أبو جعفر نے ابن قتیبہ کے بیٹے سے حاصل کی تھی(۱۰)۔

بعض ایسی کتابیں بھی اندلس میں منتقل ھوئیں جن کو وھاں کے علماء نے استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا۔ ان میں سے بعض تو جدل و مناقشہ کا سبب بنیں۔ چنانچہ جب ابو محمد عبداللہ بن محمد بن قاسم بن ھلال (متوفی ۲۷۲ھ) نے، جو قرطبہ کے شہری تھے، أبو سلیمان داؤد بن سلیمان کی کتابیں اندلس پہنچائیں تو ابو محمد عبداللہ کے ھمعصر علماء نے برا منایا(۱۱)۔ قرطبہ کے باشندے ایوب بن سلیمان بن حکم بن عبداللہ بن بلکایش بن الیان القوطی (متوفی ۳۲۶ھ) نے، عوام کی مرضی کے خلاف عراق کی متداول کتابیں اپنے شہر میں داخل کیں۔ جنہیں ان سے ان کے بیٹے کے سوا کسی نے نہیں پڑھا(۱۲)۔ قرطبہ کے ایک عالم ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد (۲۰۱ھ-۲۷۶ھ) جب

---

(۷) المقری : نفح الطیب - ط لائیڈن، ج ۱ ص ۴۹۳ -

(۸) ابن الفرضی : محولہ بالا - ج ۱ ص ۳۴۶، ت ۸۹۱ -

(۹) ایضاً : ج ۲ ص ۲۳ ت ۱۱۵۲ -

(۱۰) ایضاً : ج ۱ ص ۴۷ ت ۲۰۱ -

(۱۱) ابن الفرضی : محولہ بالا - ج ۱ ص ۲۵۷ ت ۹۵۵ -

(۱۲) ایضاً : ج ۱ ص ۱۰۳ ت ۲۷۰ -

" مصنف ابی بکر بن ابی شیبه " اپنے شہر میں لائے تو اس کتاب کی بدولت وہاں کے علماء کے درمیان اختلاف و جدل کی ایک نئی راہ کھل گئی(۱۳) ۔

اندلس میں کتابیں لانے میں صرف علماء ھی کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس نیک کام میں شاھی خاندان کے افراد بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ۔ جیسے حبیب بن ولید بن حبیب دحون (۱۴) ، اور ابن الاحمر ھاشمی محمد بن معاویہ بن عبدالرحمن بن عبدالرحمن بن معاویہ نے فقہ اور دیگر اسلامی علوم کی کتابیں مشرق سے منگوائیں (۱۵) ۔ اس کار خیر میں تاجر اور سیاح بھی برابر کے شریک تھے ۔ یہ لوگ سفر کے دوران مشرق کے وراقین * کے ھاں سے کتابیں خرید لاتے ۔ ان کا مقصد ان کتابوں کو اچھے داموں بیچنا ھوتا، یا پھر یہ کتابیں اپنے پاس رکھتے جن سے ان کی شہرت ایک عالم کی طرح ھوجاتی، جیسا کہ ابوبکر احمد بن الفضل بن العباس دینوری (متوفی ۳۴۹ھ) نے کیا(۱۶) ۔ ایسا ھی قرطبہ کے ایک تاجر احمد بن خالد بن عبداللہ بن قبیل بن بیقی الجذامی (متوفی ۳۷۸ھ) کا عمل رھا (۱۷) ۔ اھل قرطبہ میں سے ایک اور صاحب محمد بن عبید بن ایوب (متوفی ۳۱۷ھ)، جو دباج مشہور تھے اور لکھنا پڑھنا معمولی سا جانتے تھے، مشرق سے کتابیں جمع کر لائے تاکہ اپنے آپ کو عالم ظاھر کرسکیں (۱۸) ۔ اسی طرح محمد بن عیسی بن رفاعہ الخولانی نے بھی کیا تھا(۱۹) ۔

---

(۱۳) الضبی : بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اھل الاندلس ۔ تحقیق ریبیرا، میڈرڈ ۱۸۸۴ء، ج ۱ ص ۱۶ ۔ ابن الفرضی : محولہ بالا ۔ ج ۱ ص ۱۰۷ ت ۲۸۳ ۔

* وراق دراصل ان اشخاص کو کہا جاتا تھا جو کتابیں نقل کرکے پڑھنے کے قابل صورت تک تیار کرتے تھے ۔

(۱۴) ابن الابار : محولہ بالا۔ ج ۱ ص ۷۷ ب ۸۳۸ ۔

(۱۵) الضبی : محولہ بالا، ج ۱ ص ۱۱۶ ت ۱۴۱ ۔

(۱۶) ابن الفرضی : محولہ بالا، ج ۱ ص ۵۷ ت ۲۰۳ ۔

(۱۷) ایضاً : ج ۱ ص ۶۸ ت ۱۸۶ ۔

(۱۸) ایضاً : ج ۲ ص ۳۹ ت ۱۱۹۹ ۔

(۱۹) ایضاً : ج ۲ ص ۵۷ ت ۱۲۲۵ ۔

لوگ زیادہ تر کتابیں بیچنے کی بجائے جمع کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ جیسا کہ غرناطہ کے ایک عالم فاضل عبدالملک بن حبیب نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ کتابیں جمع کر رکھی تھیں(۲۰)۔ ہاشم بن خالد البیری نے بہت نفیس اور صحیح ترین کئی مخطوطات جمع کر رکھے تھے (۲۱)۔ موہب بن عبدالقادر بن موہب نے جب مشرق کا سفر کیا تو اس نے بہت سی کتابیں اکٹھی کرلیں۔ مگر واپسی پر موت نے آ لیا۔ ان کی یہ کتابیں، ان کے ساتھی باجہ کے باشندے اندلس میں لائے تھے(۲۲)۔

ان حضرات میں سے بعض نے اپنی جمع کردہ کتابیں طالبان علم کے افادۂ عام کے لئے مساجد میں یا عوام کے لئے مناسب جگہوں پر رکھوادی تھیں۔ جیسا کہ ھارون بن سالم قرطبی نے اپنا ذخیرہ کتب احمد بن خالد کے ھاں رکھوا دیا تھا تاکہ طالبان علم اس سے بآسانی استفادہ کرسکیں (۲۳)۔

ابو بکر بن خیر الاشبیلی نے اپنی کتاب (فهرسة ما رواہ عن شیوخه) میں ان کتابوں کو مفصل بیان کیا ہے۔ جو مختلف علوم میں مشرق سے اندلس میں منتقل ہوئیں۔ ان کتابوں کو فہرست میں مختلف علوم کی خصوصی فصول میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(جاری)

---

(۲۰) ابن الخطیب : الاحاطة فی اخبار غرناطه مخطوطه در الاکادیمیة الملکیة للتاریخ فی مدرید، ج ۱ ورقه ۱۳۵۔

(۲۱) ابن الفرضی : محوله بالا ۔ ج ۲ ص ۱۶۸، ت ۱۵۳۹۔

(۲۲) ایضاً : ج ۲ ص ۱۵۲ ت ۱۳۸۵۔

(۲۳) ایضاً : ج ۲ ص ۱۶۶، ت ۱۵۳۔